ہماری سمت درست نہیں

(ہم قرآن وسنت پر مبنی دین سے کوسوں دور ہیں)

پین خواہ پارکر کا ہو، ہیرو کا یا کسی اور بہتر قسم کا لکھے گا نہیں جب تک اس میں روشنائی نہ بھری جائے۔ ہر دو صورتوں میں پین کی بظاہر شکل وصورت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ پین ہر حالت میں ٹھیک ٹھاک پین ہی نظر آئے گا لیکن اس میں سیاہی کے ہونے اور نہ ہونے یا دوسرے لفظوں میں اس کے کارآمد حالت میں ہونے یا نہ ہونے سے زمین وآسمان کا فرق پڑ جائے گا۔

آپ اگر کپڑے کو سرخ رنگ دینا چاہیں تو یہ ایک ہی صورت میں ممکن ہے کہ آپ مطلوبہ کپڑے کو سرخ رنگ سے ایک خاص طریقہ اختیار کرتے ہوئے رنگیں۔ آپ اگر سرخ رنگ کی بجائے کوئی اور رنگ استعمال کر لیں یا ایسا سرخ رنگ استعمال کریں جو اپنی افادیت کھو چکا ہو یا رنگ تو سرخ بھی ہو اور ٹھیک ٹھاک بھی لیکن آپ اسے مخصوص طریقے سے استعمال نہ کریں تو کپڑا سرخ رنگ میں رنگا نہیں جائے گا خواہ آپ لاکھ دوسرے جتن اختیار کریں۔

اسی پر قیاس کرتے ہوئے ذرا یہ غور فرمائیں کہ قرآن وسنت کا انمول خزانہ آج اسی طرح ہمارے پاس موجود ہے جس طرح کہ دورِ خلافتِ راشدہ میں تھا۔ بلکہ دیکھا جائے تو احادیثِ مبارکہ جیسے آج ہمارے ہاں مدون حالت میں ہیں دورِ خلافتِ راشدہ میں نہ تھیں۔ بایں ہمہ دینِ اسلام کی وہ برکات جو پوری انسانیت کو دورِ خلافتِ راشدہ میں میسر تھیں ان کا عشرِ عشیر بھی آج ہمیں حاصل نہیں۔ وجہ کیا ہوئی ہے؟ جب دینِ حق آج بھی قرآن وسنت کی صورت میں من وعن موجود ہے تو پھر ہمیں ان کے فوائد وفیوض کیوں حاصل نہیں ہو رہے؟ اصل میں اس میں تو کوئی شک نہیں کہ قرآن وسنت کے سنہرے ضابطے اور بے مثل قوانین آج بھی ہمارے ہاں اسی طرح موجود ہیں جیسے کہ خلافتِ راشدہ کے سنہری دور میں تھے۔ البتہ فرق پڑا ہے تو اتنا کہ دورِ خلافتِ راشدہ میں ان اصولوں اور ضابطوں کو ہماری طرح محض پڑھ چھوڑنے اور ذہنی موشگافیوں تک محدود نہیں کیا گیا تھا بلکہ ان کو بالفعل نافذ کر دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے جب کوئی دوائی کھائی ہی نہ جائے تو اس کے اثرات مرتب ہونے کا کوئی سوال نہیں۔ یاد رہے قرآن وسنت کے قوانین لاکھ بے مثل ویکتا سہی، اگر صرف قرآن وکتبِ احادیث تک محدود رہیں تو محض ایک نظریہ، ایک فلسفہ اور ایک تھیوری کی حیثیت اختیار کیے رکھیں گے۔ ہاں اگر یہ بے مثل قوانین کسی خطۂ زمین میں عملاً نافذ کر دیے جائیں تو یہی خلافت ہے، لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں وہ برکات وثمرات حاصل نہ ہوں جو دورِ خلافتِ راشدہ میں حاصل تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر جب یہ آخری آیات نازل ہوئیں کہ ''آج میں نے تمہارے دین کو تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کی حیثیت سے پسند فرمایا'' تو اس وقت ان قوانین وضوابط کو ہی مکمل نہ کیا جو آج بھی قرآن وسنت میں موجود ہیں بلکہ ان قوانین وضوابط کی روشنی میں ایک نظامِ حکومت، ایک نظامِ زندگی اور ایک نظامِ عدل وقسط کو بھی متوازاً اپنی پوری وسعتوں اور رعنائیوں کے ساتھ معرضِ وجود میں لایا گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا یعنی اگر قرآن وسنت پر مبنی نظامِ خلافت معرضِ وجود میں نہ آتا اور قرآن وسنت کے احکام محض کاغذی صفحات تک ہی محدود رہتے تو انسانیت اس وقت بھی نظامِ خلافت کی برکات سے اسی طرح محروم رہتی جیسے کہ وہ آج محروم ہے۔ آج ہم دینِ اسلام کی برکات سے محروم ہیں تو اس لیے کہ دنیا بھر میں کوئی ایک انچ بھر بھی خطہ ایسا نہیں ہے کہ جہاں قرآن وسنت پر مبنی نظام اپنی پوری آن شان کے ساتھ موجود ہو۔ محض یہ حقیقت کہ قرآن وسنت کے قوانین وضوابط بڑے مکمل، حتمی اور سنہری ہیں نافذ کیے بغیر اسی طرح مطلوبہ نتائج پیدا نہیں کر سکتے جس طرح کہ بہترین پین بغیر روشنائی لکھ نہیں سکتا اور بہترین بلب بغیر کرنٹ روشنی دینے سے قاصر رہتا ہے۔

موجودہ نظام یا رواں دواں طرزِ زندگی جب قوانین قرآن وسنت پر مبنی ہی نہیں اور جب دنیا میں نظامِ خلافت کہیں موجود ہی نہیں تو ظاہر ہے کہ ہم ایک باطل نظام کے تحت زندگیاں گزار رہے ہیں اور ایسے میں ہمارا دورِ خلافتِ راشدہ کے فوائد وفیوض کی امید رکھنا جہالت ہی نہیں حماقت بھی ہے۔ ایسے دین یا طرزِ زندگی کو اختیار کر کے کہ جس کا قرآن وسنت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہم مسلمان اس دنیا میں ذلت ورسوائی کا شکار اور کفار ومشرکین کے غلبے کی یلغار سے متاثر ومرعوب تو ہیں ہی، یہ جعلی اور نمائشی دین قیامت کو بھی ہمارے لیے خسارے کا موجب ہوگا۔ قرآنِ مجید میں دوٹوک آیا:

''اور جو اسلام کے سوا کسی اور دین کو اپنائے گا تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نامرادوں میں سے ہوگا'' (آلِ عمران:85)۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر وہ دین جسے ہم اختیار کیے ہوئے ہیں قرآن وسنت والا دین نہیں تو پھر قرآن وسنت والا دین کون سا ہے؟ قرآن وسنت والا دین جسے ہم آئندہ

صفحات میں بیان کرتے ہیں کچھ ذاتی اوصاف رکھتا ہے تو کچھ اثراتی یعنی اس کی کچھ خوبیاں اور علامات تو ایسی ہیں کہ جو اس کی ذات اور ذاتی پہچان کے متعلق ہیں' اور اس کی کچھ خصوصیات ایسی ہیں کہ جب دینِ حق دنیا میں اپنی اصلی حالت میں متمکن اور جلوہ افروز ہو تو مخصوص اثرات وثمرات برآمد ہوتے ہیں۔ قرآن وسنت والے دین کو جاننے کیلئے آئندہ صفحات میں ہم دینِ حق کے انہی ذاتی واثراتی اوصاف پر روشنی ڈالتے ہیں۔

ذاتی اوصاف

ذاتی خصائص واوصاف کو اگر ایک جملے میں بیان کریں تو بس یہی کہ وہی خصوصیات جو نظامِ خلافتِ راشدہ یا نظامِ خلافت کی۔ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں کہ قرآن وسنت کی تعلیمات واحکامات اگر ان مقدس کتابوں کے صفحات تک محدود رہیں تو محض ایک تھیوری' نظریہ یا فلسفہ ہیں۔ البتہ جب یہ نظریہ وفلسفہ کسی خطۂ زمین میں عملاً نافذ کر دیا جائے تو یہی خلافت' خلافتِ راشدہ' دینِ حق یا قرآن وسنت پر مبنی نظامِ حیات ہوتا ہے۔ قرآن وسنت والا دین جب وہی ہے جس کا عملی ظہور خلافتِ راشدہ یا نظامِ خلافت ہے تو آیئے تجزیہ کریں کہ نظامِ خلافتِ راشدہ کی خصوصیات کیا تھیں؟

1- پوری مسلم دنیا ایک خلیفہ کی سرکردگی میں

نظامِ خلافت یا دینِ حق کی پہلی ذاتی خاصیت یہ کہ پوری اسلامی دنیا ایک خلیفہ کی سرکردگی میں ہو۔ یاد رہے دورِ خلافتِ راشدہ میں اسلامی مملکت کی حدود مراکش سے چین تک پھیل گئیں لیکن ایسے میں بھی اور اس زمانے میں جب کہ وہ ذرائع آمد ورفت اور ذرائع ابلاغ جو آج انسانیت کو میسر ہیں حاصل نہ تھے' اسلامی مملکت بہرحال ایک خلیفہ کی سرکردگی میں رہی۔ اسلامی نظامِ زندگی میں انحطاط آیا ہی تو اس وقت جب پہلے اسلامی نظامِ حکومت زوال پذیر ہوا۔ تاریخ شاہد جب اسلامی مملکت ایک خلیفہ کی بجائے دو حکمرانوں میں منقسم ہو گئی تو انحطاط وزوال شروع ہو گیا۔ پھر جوں جوں حکمرانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور اسلامی دنیا مزید منقسم ہوتی گئی اسلام والے بھی انحطاط کی گہرائیوں میں مزید لڑھکتے چلے گئے حتیٰ کہ اسلامی دنیا پر وہ وقت بھی آیا کہ مسلمانانِ عالم غلامی کی زنجیروں میں جکڑے گئے اور اغیار کیلئے تر نوالہ بن گئے۔ یہ عمل کسی نہ کسی طور آج تک جاری ہے۔

اس میں کیا شک کہ جب اسلامی دنیا کے ذرائع ووسائل ایک ہاتھ میں مجتمع تھے یا بالفاظِ دیگر دینِ حق' نظامِ خلافت کی شکل میں موجود تھا تو اسلام والے دنیا میں بطور غالب قوت موجود تھے اور جب یہی ذرائع ووسائل اَن گنت ہاتھوں میں تقسیم ہو گئے یا نظامِ خلافت نہ رہا تو مسلمانوں کی ہوا اڑ گئی۔ اپنے ہی یہ ذرائع ووسائل نہ صرف ایک دوسرے سے ٹکرا گئے بلکہ اغیار کو بھی موقع مل گیا کہ وہ ان ذرائع ووسائل کو جیسے چاہیں لوٹیں اور اپنے استعمال میں لائیں۔ وقت کے اس موڑ پر جب یہ سطور لکھی جا رہی ہیں خلیج کا علاقہ جو مسلم دنیا میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ نے تیل' سونے اور معدنیات کے وافر ذخائر دے رکھے ہیں طاغوتی طاقتوں کی دست برد میں ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ طاغوتی طاقتیں باقی اسلامی دنیا پر گاڑھے پنجے گاڑ رہی ہیں۔

2- امتِ مسلمہ کے وجود کی برقراری

خلافتِ راشدہ کی دوسری بڑی علامت امتِ مسلمہ کے وجود کا معرضِ وجود میں آنا اور قائم ودائم رہنا ہے۔ عرب ایک منتشر ومتفرق قوم تھی جو اسلام سے پہلے اَن گنت قبائل میں منقسم تھی۔ دورِ نبوت کے ایک طرف دورِ جہالت تو دوسری طرف دورِ خلافتِ راشدہ۔ دورِ جہالت' دورِ خلافت میں بدلا تو تین مہیب تبدیلیوں کے واقع ہونے سے۔ عرب بہت سے خداؤں کو مانتے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو یہ کہ تم غلط سمت میں جا رہے ہو' اللہ صرف ایک ہے۔ عرب اَن گنت قبائل میں منقسم تھے' رسول اللہ ﷺ نے ان تمام سردارانِ قبائل کو ختم کر کے ایک خلیفہ کی گنجائش پیدا کی۔ عرب میں صرف یہی نہیں کہ کوئی مرکزی حکومت نہ تھی' کوئی بنیادی اور اٹل قانون بھی نہ تھا۔ ہر قبیلے کے اپنے اپنے قوانین بلکہ رسومات تھیں اور یہی رسومات کا مختلف ہونا ان کے ہاں اکثر نزاع کا باعث بنتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام خود ساختہ قوانین ورسومات کو ختم کر کے قرآن کی شکل میں انہیں ایک قانون کا پابند کر دیا۔ یوں جب عرب ایک اللہ' ایک رہنما اور ایک قانون کے پابند ہو گئے تو نتیجہ کے طور پر وہ امت معرضِ وجود میں آ گئی جسے قرآن ''خیرِ امت'' اور ''امتِ وسط'' کے عظیم القابات سے یاد کرتا ہے۔

آج مسلم دنیا جب ایک مملکت کی شکل میں اور ایک رہنما یعنی خلیفہ کی سرکردگی میں نہ رہی تو امت کا وجود بھی ختم ہو گیا' اَن گنت قومیں وجود میں آ گئیں۔ آج مسلمانوں پر کوئی 57 حکمران مسلط ہیں تو نتیجہ کے طور پر اتنی ہی قومیں معرضِ وجود میں آ گئی ہیں' کوئی شامی قوم تو کوئی مصری قوم اور کوئی ایرانی قوم تو کوئی پاکستانی قوم۔ امت کا وجود صرف اس بدنظمی کی وجہ سے ہی ختم نہیں ہوا بلکہ مقاصد کے اعتبار سے بھی۔ یہ پین جس سے میں لکھ رہا ہوں اسی وقت تک پین ہی ہے جب تک یہ اپنے مقصد یعنی لکھنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے۔ لکھنے کی

صلاحیت سے عاری ہوتے ہی اس کا وجود بے معنی ہو کر ردی کی ٹوکری میں پھینک دیا جاتا ہے۔

قرآن وسنت کی رو سے مسلمانوں کے کچھ ایسے فرائضِ منصبی ہیں جو صرف اور صرف امت کی سطح پر ہی سرانجام دیے جاسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ان فرائض میں ایک فرض دنیا کی قیادت کرنا ہے۔ جب امت اپنے فرائضِ منصبی ادا کرنے کے قابل نہ رہی تو ناکارہ پین کی طرح اپنے وجود ہی کو کھو بیٹھی۔ آج کی دنیا میں امت امتِ مسلمہ کا کوئی وجود نہیں۔

3- منفرد طرزِ انتخابات

خلافتِ راشدہ کی ایک اور خاصیت ایسی کہ دنیا کے نظاموں سے قطعی مختلف اور منفرد۔ چاروں خلفائے راشدہ کا انتخاب گو قدرے مختلف انداز سے ہوا لیکن ہر طرزِ انتخاب میں درج ذیل چھ اصولوں کی سختی سے پیروی کی گئی۔

☆ قرآنی معیارِ اہلیت کے پانچ اوصاف یعنی ایمان (نور:55)، تقویٰ (حجرات:13)، صلاح (نور:55)، علم اور جسم (البقرۃ:247) کے بدرجہ اتم حامل فرد کو خلیفہ وقت چنا گیا۔

☆ خلیفہ کا چناؤ ایک فرد ایک ووٹ کی بنیاد پر نہیں، محض اربابِ حل وعقد کی سطح پر کیا گیا یعنی انتخاب میں صرف ایسے افراد کی رائے لی گئی جو پہلے سے معاشرے میں ذمہ دارانہ حیثیت کے حامل تھے یا کلیدی عہدوں پر فائز تھے۔

☆ ولی عہد بنانے کی قطعی ممانعت

ایک دفعہ منتخب ہونے والے خلیفہ کو ہٹانا صرف درج ذیل تین صورتوں میں جائز ٹھہرا ورنہ تاحیات قائم ودائم۔

..... وفات پا جانے کی صورت میں

..... ازخود معذرت کر لینے کی صورت میں

..... قرآنی معیارِ اہلیت میں سے کسی ایک یا زیادہ اہلیتوں میں کمی آنے کی صورت میں۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں مؤخر الذکر دونوں صورتوں کی نوبت نہ آئی لہٰذا پہلی صورت کو اختیار کیا گیا۔

☆ خود کو منصبِ خلافت کیلئے پیش کرنے کی قطعی ممانعت، امیدوار کھڑے ہو کر اپنے حق میں کنوسینگ کرنے کی کوئی مثال نہیں۔

☆ خلیفہ کو ووٹ کا نہیں، اس کے برعکس عوام کا محتاج بنایا گیا کہ وہ اپنے میں سے اہل تر شخص کو ڈھونڈ کر منصبِ خلافت پر متمکن کریں۔ منصبِ خلافت سونپا ہوا تھا نہ کہ حاصل کردہ۔ جبری بیعت و بادشاہت کا کوئی سوال نہیں۔

4- خلیفہ کا منفرد طرزِ زندگی

خلافتِ راشدہ کی تیسری بڑی علامت خلیفۂ وقت کا منفرد طرزِ زندگی تھا۔ خلافتِ راشدہ میں امراء، حکماء، تجار وغیرہ کی زندگی میں تو قدرے پرتعیش لوازمات اور شان وشوکت کے آثار قابلِ برداشت تھے لیکن لازم تھا کہ خلیفۂ وقت ایک اوسط شہری کے معیار کی زندگی گزارے۔ اس کی بود وباش پر خود عائد کردہ پابندیاں تھیں۔ خلافت وبادشاہت کا یہی فرق واقعات کی دنیا میں زمین وآسمان کا فرق پیدا کر دیتا ہے۔ جب خلیفۂ وقت ہوتا ہی پیوند لگے لباس اور کچے جھونپڑے میں تو منصبِ خلافت قبول کیا جاتا تھا محض ذمہ داریاں نبھانے کیلئے نہ کہ تجوریاں بھرنے کیلئے۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں اسلامی مملکت کی حدود پھیلتے پھیلتے تو آدھی دنیا پر محیط ہو چکی تھیں، لیکن خلیفۂ وقت وہی کھاتا تھا جو عام شہری، وہی پہنتا تھا جو عام شہری، شاہی محلات کا کوئی وجود نہ تھا۔ حاجب ودربان خلیفۂ وقت اور عوام میں حائل نہ تھے۔ خلیفۂ وقت عوام کے ساتھ ان کی صفوں میں نماز پڑھتا تھا۔ جمعہ، عیدین، حج کا خطبہ خود دیتا تھا۔ ضرورت پڑے تو عدالتوں میں عام شہری کی طرح خود حاضر ہوتا تھا۔

5- شورائی نہ کہ جمہوری نظام

خلافتِ راشدہ کی ایک اور نمایاں علامت یہ کہ خلیفۂ وقت کو امورِ مملکت لازماً مشورہ سے چلانا ہوتے تھے۔ وہ ادارہ جسے عام طور پر پارلیمنٹ کہا جاتا ہے، اسلام نے اس کا نام ہی شوریٰ رکھا ہے۔ شورائی نظام اور جمہوری نظام میں بنیادی فرق یہ ہے کہ شورائی نظام میں تمام امورِ زندگی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے احکام کے مطابق چلانا ہوتے ہیں جبکہ جمہوری نظام

میں عوام الناس کی مرضی سے۔ یہیں سے یہ فرق بھی پڑ جاتا ہے کہ جمہوریت میں اکثریت کی رائے اقلیت پر حاوی ہوتی ہے خواہ اکثریت والے کسی ذاتی اور نفسانی خواہش کا شکار ہی کیوں نہ ہوں۔ اسلام میں اکثریت کی رائے کو ٹالا بھی جا سکتا ہے حتیٰ کہ ایک فرد کی رائے پورے ایوان پر غالب آ سکتی ہے بشرطیکہ وہ ایک فرد قرآن وسنت سے جواز ڈھونڈ لائے۔ اسی بنیاد پر خود خلیفۂ وقت پورے ایوان کی رائے کو ٹھکرا سکتا ہے۔ حضرت ابوصدیقؓ کی رائے مانعین زکوٰۃ اور لشکرِ اسامہؓ کے متعلق پورے ایوان کی رائے پر غالب آئی۔

اسلام میں قانون ساز صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے' شوریٰ صرف اللہ ورسول اللہ ﷺ کے احکامات کی توضیح کر سکتی ہے یا قرآن وسنت کی روشنی میں کسی نئی ضرورت کو پورا کرنے کیلئے ذیلی تفصیلات طے کر سکتی ہے۔ مثال کے طور پر شوریٰ یہ تو مشورہ دے سکتی ہے کہ وقت کے کسی بھی موڑ پر اسلامی مملکت کے کتنے صوبے اور کتنے گورنر ہوں لیکن وہ یہ نہیں کر سکتی کہ کسی غیر مسلم کو اولی الامر میں شامل کر کے اسے گورنر' وزیر یا جج بنا دے۔

6- حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کا منفرد تصور

دورِ خلافتِ راشدہ میں ہمیں ایسی سیاسی پارٹیوں کا وجود کہ جو متحارب گروہوں کا روپ دھارے ہوئے ہوں قطعاً نہیں ملتا۔ نہ صرف یہ بلکہ ہمارے ہاں کے مروجہ حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف تک کا وجود کہیں نظر نہیں آتا۔ وہ احباب جو کسی نہ کسی طور حکومتی ذمہ داریاں ادا کر رہے تھے وہ تو حزبِ اقتدار تھے' باقی پوری امت حزبِ اختلاف تھی۔ امت کا کوئی بھی فرد کسی بھی وقت حکمرانوں کا دامن پکڑ کر احتساب کر سکتا تھا۔ تعاون وعدم تعاون کا بڑا محکم اصول کارفرما تھا اور وہ یہ کہ ''جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو' اللہ سے ڈرو' اس کی سزا بہت سخت ہے'' (مائدہ:2)۔ ہمارے ایوان میں آج پائے جانے والے حزبِ اقتدار اور حزبِ اختلاف کہ جن کا کام اپنی پارٹی والوں کو بہر طور سراہنا اور مخالفین کو بہر حال لتاڑنا ہوتا ہے مغربی دنیا کی پیداوار ہیں اور اسلام سے ان کا دور کا بھی تعلق نہیں۔

7- قرآن وسنت بطور آئینِ مملکت

دورِ خلافتِ راشدہ میں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ چند افراد اپنے ہاتھوں سے ایک کتابچہ لکھ کر اسے آئینِ مملکت قرار دے دیں۔ ایسا ہوتا بھی تو کیوں؟ یوں ہوتا تو ایسا ہی ہوتا کہ یدِ بیضا تو بغل میں ہو اور موم بتیوں کا سہارا لیا جائے۔ اس سے بڑی ناقدری' ناشکری بلکہ اللہ ورسول ﷺ سے بغاوت کا اور کوئی تصور نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمانوں کی دوسری اقوام پر ایک بڑی فوقیت ہے ہی یہی کہ ان کے پاس تو قرآن وسنت کی شکل میں ازلی وابدی آئین ہے جبکہ آفاقی رہنمائی سے محروم انسان اپنے آپ کو تجربات کے سپرد کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اصل میں آئین ایک ایسی دستاویز ہے جو کسی بھی نظام کو معرضِ وجود میں لاتی اور ایک نظام کو دوسرے نظام سے ممیّز کرتی ہے۔ کمیونزم اس لیے مغربی سرمایہ دارانہ نظام سے مختلف ہے کہ دونوں کا آئین مختلف ہے۔ اگر روس کا آئین امریکہ میں اور امریکہ کا آئین روس میں نافذ کر دیا جائے تو روس میں جمہوری نظام اور امریکہ میں کمیونزم رواں دواں ہو جائیں گے۔ دورِ خلافتِ راشدہ میں اگر قرآن وسنت کو آئینِ مملکت نہ بنایا جاتا اور اس کی بجائے ایسا خود ساختہ آئین نافذ کیا جاتا جیسا کہ اس وقت پاکستان میں ہے تو خلافتِ راشدہ کا مبارک دور اس وقت بھی کبھی معرضِ وجود میں نہ آتا۔ دورِ خلافتِ راشدہ اس لیے پوری انسانی تاریخ میں یکتا ومنفرد ہے کہ قرآن وسنت پر مشتمل آئین یکتا ومنفرد ہے۔ قرآن وسنت کو آئینِ مملکت بنائے بغیر کوئی لاکھ سر مارے' خلافتِ راشدہ کی طرح کا دور قطعاً اور ہرگز معرضِ وجود میں نہیں آ سکتا۔

8- عدلیہ قطعی آزاد

دورِ خلافتِ راشدہ کی ایک اور امتیازی علامت عدلیہ کا قطعی طور پر آزاد ہونا ہے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ خلافتِ راشدہ کے دور میں قاضیوں کا تقرر کرتے تو خلفاء ہی تھے لیکن جب وہ مقرر ہو جاتے تھے تو اللہ تعالیٰ کا خوف اور علم وضمیر کے دباؤ کے علاوہ ان پر کوئی دوسرا دباؤ نہ ہوتا تھا حتیٰ کہ خلیفۂ وقت کے خلاف فیصلہ جاتا تو قاضی بے دھڑک دیتا تھا۔ کسی بڑے سے بڑے حاکم کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ عدالت کے کام میں مداخلت کرے اور مجرم کی سزا معاف یا کم ہی کر سکے۔

پیشتر اس کے کہ ہم قلم کا رخ نظامِ خلافت کی ذاتی خصوصیات سے اثراتی خصوصیات کی طرف منتقل کریں' سو بات کی ایک بات جو بڑی توجہ سے نوٹ کرنے کی ہے یہ ہے کہ مندرجہ بالا خصوصیات میں سے اگر ایک خاصیت بھی کم ہو جائے تو نتیجہ کے طور پر کوئی آدھا پونا اسلام تو معرضِ وجود میں آ سکتا ہے' نظامِ خلافت ہرگز نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ آدھا پونا اسلام نہ تو مطلوبہ نتائج ہی پیدا کر سکتا ہے اور نہ ہی خالقِ کائنات کے ہاں قابلِ قبول ہے اس لیے کہ انسانوں سے اللہ کا مطالبہ ہے ہی ''اسلام میں پورے کے پورے داخل ہونے کا'' (بقرۃ:2)۔

نظامِ خلافت کی اثراتی خصوصیات

نظامِ خلافت یوں تو سراپا رحمت وسعادت، صرف مسلمانوں کیلئے ہی نہیں، غیر مسلموں کیلئے ہی نہیں، چرندوں، پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کیلئے بھی لیکن درج ذیل چار خصوصیات تو ایسی ہیں کہ جن کا ذکر ازبس ضروری ہے

1-غلبۂ اسلام

لاریب، دنیا میں جب قرآن وسنت پر مبنی نظامِ خلافت رواں دواں تھا تو دنیا میں غلبہ بھی اسلام والوں کا تھا۔ دورِ خلافتِ راشدہ تو تقریباً 30 سال پر محیط رہا لیکن جیسے کہ ایک وقت کا لگایا ہوا پھلدار درخت سالہا سال ثمر بار ہوتا رہتا ہے، مسلمان دنیا میں تقریباً گیارہ سو سال بطور غالب قوت رہے۔ ان کے پائے کی زیرِ آسمان کوئی دوسری طاقت نہ تھی۔ آج کی دنیا میں کفر کے غلبہ کا ہونا اس بات کا سب سے بڑا ثبوت ہے کہ نظامِ خلافت آج دنیا میں کہیں نہیں۔

2-امن

نظامِ خلافت کا دوسرا بڑا ثمر امن وسلامتی کے دور دورہ ہونے کا ہے۔ قرآنِ مجید نے ایک ہی آیت میں ان دونوں ثمرات یعنی غلبۂ دینِ حق اور امن کا ذکر یوں کیا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان کے اس دین کو غالب کرے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی حالتِ خوف کو امن سے بدل دے گا۔ بس وہ میری بندگی کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں'' (نور:55)۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی ایک موقع پر ''امن'' ہی کو نظامِ خلافت کی اثراتی علامت قرار دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت (جب نظامِ خلافت رواں دواں ہوگا) زیورات سے آراستہ ایک عورت صنعاء سے حضر موت تک سفر کرے گی لیکن کیا مجال اسے اللہ کے خوف کے علاوہ کوئی اور دھڑکا ہو۔ شومئ قسمت آج کی دنیا میں اگر امن وسلامتی کی بجائے بدامنی اور دہشت گردی کا دور دورہ ہے تو یہ اس لیے کہ جس دین کو ہم دینِ حق سمجھ کر اختیار کیے ہوئے ہیں اس کا قرآن وسنت کے دین سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

3-عدل وقسط

نظامِ خلافت رواں دواں ہو تو لازمی ہے کہ دنیا میں عدل واحسان کا دور دورہ بھی ہو۔ تاریخ کے ورق الٹئے، دورِ خلافتِ راشدہ میں ایسا ہی تھا۔ عدل وقسط کو بھی خود اللہ تعالیٰ نے نظامِ خلافت کا ثمر قرار دیا ہے۔ قرآن میں آیا:

''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں اور ہدایات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ عدل وقسط پر قائم ہوں'' (حدید:25)۔

اسلامی حکومت کے فرائضِ منصبی میں سے ایک بڑا فرض ''قیامِ عدل'' قرار دیا۔ فرمایا:

''مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہلِ امانت کے سپرد کرو اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے'' (نساء:58)۔

اور تو اور رسول اللہ ﷺ کو عدل کی تاکید کی گئی تو اس طرح کہ:

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل کروں'' (شوریٰ:15)۔

دورِ خلافتِ راشدہ پر نظر دوڑائیں تو عدل واحسان کی حیران کن مثالیں سامنے آتی ہیں کہیں خلیفۂ وقت اور ایک ادنیٰ ملازم سفر میں باری باری سوار ہوتے ہیں تو کہیں اس دور کے مسلمان خود بھوکے رہ کر اوروں کو کھلاتے نظر آتے ہیں۔ کبھی خلیفۂ وقت قاضیٔ وقت کی عدالت میں کھڑا نظر آتا ہے تو کبھی خلیفۂ وقت اپنے لختِ جگر کو اپنے سامنے کوڑے لگواتا ہے۔ اس سے عدل وقسط کا اور کونسا بڑا اظہار کہ اسلام اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ دشمن کی دشمنی کسی کو عدل وقسط سے باز رکھے۔ فرمایا گیا:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر راستی پر قائم رہنے والے اور عدل کی گواہی دینے والے بنو، کسی گروہ کی دشمنی بھی تمہیں اتنا مشتعل نہ کردے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔

عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ اللہ سے ڈر کر کام کیا کرو، جو کچھ تم کرتے ہو، اللہ تعالیٰ پوری طرح سے باخبر ہے'' (مائدہ:8)۔

مزید تاکید کی گئی تو یوں:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! انصاف کے علمبردار اور خدا واسطے کے گواہ بنو اگرچہ تمہارے انصاف اور تمہاری گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور تمہارے رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑے۔ فریقِ معاملہ خواہ مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے لہٰذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے'' (نساء:135)۔

اصل میں اسلام انسانیت کا دین ہے، فریقین خواہ مسلم ہوں یا غیر مسلم وہ فیصلہ میرٹ پر کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ظلم خواہ مسلم دنیا میں ہو یا غیر مسلم دنیا میں اللہ تعالیٰ ایسے ظلم کو فتنہ قرار دے کر لازم ٹھہراتا ہے کہ مسلمان اس کا قلع قمع کریں۔ دوسری اقوام پر غلبہ حاصل کرنے کی غایت ہی یہ ہے کہ دنیا میں ہر اس شخص یا قوم سے وہ سکت چھین لی جائے جس کے بل بوتے پر کوئی ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ نظامِ خلافت تحفظِ مال و جاں، حرمتِ آبرو، آزادیٔ اظہارِ رائے، آزادیٔ ضمیر و عقیدہ، حصولِ انصاف، حقِ اجرت و معاوضہ وغیرہ کو ہر فرد کیلئے بطور انسان یقینی بناتا ہے نہ کہ بطور مسلمان۔

اس دھرتی کے مکینوں کو آج اگر بے اعتدالی و بے انصافی، ظلم و ستم، افراط و تفریط، استحصال و استعمار وغیرہ کا سامنا ہے تو محض اس لیے کہ نظامِ خلافت آج کی دنیا میں کہیں نہیں۔

4- خوشحالی و فارغ البالی

نظامِ خلافت کا ایک اور طرۂ امتیاز خوشحالی و فارغ البالی ہے۔ آج ایسا تو نہیں کہ اس دھرتی کے مکیں سو فیصد بھوک و افلاس کی زد میں ہوں، اصل میں یہ دنیا افراط و تفریط کی شکار ہے۔ مسلم دنیا کو ہی لے لیں۔ باوجود اسکے کہ مسلمانوں کے پاس سونے، معدنیات اور تیل کے وافر ذخائر موجود ہیں، مجموعی طور پر مسلمان دنیا کی ایک مفلوک الحال، پسماندہ اور درماندہ قوم ہے۔ اغیار نے بڑی ہوشیاری سے اسے (Third World) تیسری دنیا میں شامل کر رکھا ہے حالانکہ جب وہ ایسا کہتے ہیں تو ان کا اصل مقصد تیسرے درجے (Third Class) کی قوم کہنا ہوتا ہے۔ نظامِ خلافت قائم ہوتا تو ہمارے ہاں دودھ کی نہریں بہہ رہی ہوتیں۔ جس طرح آج ہم نے قرآن و سنت کے نظام کو کہیں نافذ نہیں کر رکھا، اسی طرح اہلِ کتاب نے بھی تورات و انجیل کے نظام کو قائم نہ کیا تو قرآنِ مجید میں ان کے کردار کی تصویر کشی کی گئی تو اس طرح:

''کاش انہوں نے (اہلِ کتاب نے) توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئی تھیں۔ ایسا کرتے تو ان کے لئے اوپر سے بھی رزق برستا اور قدموں کے نیچے سے بھی رزق ابلتا'' (مائدہ:66)۔

یہ تمام ثمرات و برکات.....غلبہ، امن، عدل، خوشحالی مسلمانوں کو دورِ خلافتِ راشدہ میں بدرجہ اتم حاصل تھیں۔ جوں جوں ہم اس سنہری دور سے دور ہوتے چلے گئے یا بالفاظِ دیگر نظامِ خلافت میں دراڑیں پڑتی گئیں سب کچھ ہوتے ہوئے مسلمانانِ عالم کی بے بسی و بے کسی اور پسماندگی و درماندگی میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ قرآن و سنت کا نظام قائم و دائم رہتا تو مسلمانوں کو آج یوں برے دن نہ دیکھنے پڑتے۔ وہ قوم جو آج بحیثیت مجموعی پسماندگی و درماندگی اور باہمی منافرت کا شکار ہو کر طاغوتی طاقتوں کیلئے لقمۂ تر بنی ہوئی ہے اسے یقین کر لینا چاہیے کہ وہ اللہ و رسول اللہ ﷺ کی طاعت سے نکل چکی ہے۔

یاد رہے قیامت برپا نہیں ہوگی جب تک کہ نظامِ خلافت ایک بار پھر اس دھرتی کا مقدر نہ بنے گا۔ ایسا ہونا لازمی ہے، اس لیے کہ یہ نبی رحمت ﷺ کا فرمایا ہوا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کون خوش قسمت اس کارِ عظیم میں حصہ ڈال جاتا ہے اور کون نامراد و ناہنجار محروم و تہی دست ہی اپنے رب کی طرف لوٹتا ہے۔

یاد رہے مغرب ہو یا مشرق، ہر طرف سے اسی اسلام کا مطالبہ ہے جس کے ماننے والے آخرت ہی میں نہیں بلکہ دورِ خلافتِ راشدہ کی طرح اس دنیا میں بھی جاہ و حشمت کے حامل اور ایک ناقابلِ تسخیر قوت ہوں۔ روحانی کمالات کا سلسلہ طے کرنے کیلئے تو دنیا کے دوسرے مذاہب بھی بہت سی ترکیبیں بتاتے ہیں۔ اسلام کا ہدف اکا دکا بیلی پیر و فقیر پیدا کرنا نہیں، زیرِ آسمان اس دھرتی پر قرآن و سنت کی رہنمائی میں ایک فلاحی و مثالی معاشرہ تشکیل دینا ہے۔ اس سے بڑا خدا رسیدہ کون ہو سکتا ہے جو غلبۂ دین کیلئے اپنا تن من دھن اللہ کی راہ میں لگا دے۔ وہ جو اٹھتے بیٹھتے لمبے چوڑے وظائف کا ورد کرتے ہیں اسلام کو آج مغلوب و مرعوب دیکھ کر مضطرب کیوں نہیں ہوتے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کا دین محض ان کی نفسیاتی تسکین کا سامان ہو؟ آخر کیا وجہ ہے کہ خلافتِ اسلامی کے نہ ہونے کو پوری امت نے آج ٹھنڈے پیٹوں برداشت کیا ہوا ہے؟